رشتے ٹوٹ بھی جاتے ہیں

تحریر: سہیل احمد لون

میں نوے کی دہائی میں جرمنی کے شہر شوائن فورٹ میں مقیم تھا۔اس شہر میں چند پاکستانی تھے جن میں سے صرف دو اپنی فیملی کے ساتھ رہتے تھے جبکہ باقی کنواروں کا گروپ تھا جو ٹھنڈے موسم میں جرمن گوریوں کو دیکھ کر آنکھیں گرم' کرتے تھ۔ ویسے مغربی ممالک میں کوئی لڑکی دیکھنے پر یہ نہیں کہتی کہ تمھاری ماں بہن گھر نہیں بلکہ مسکرا ضرور دیتی ہے جس سے نئے آنے والے دیسی نوجوان اکثر غلط فہمی کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔کچھ ایسے بھی تھے جو دوسری نظر دیکھنا حرام تصور کرتے تھے مگر پہلی نظر میں وہ اتنا ضرور تاڑ لیتے تھے کہ دوسری نظر مارنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔جن میں اتنی بھی ہمت نہ ہوتی وہ بس ٹھنڈی آہیں بھر کر گزارا کر لیتے۔رانا صاحب جرمنی میں خاصے پرانے تھے جس کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ان کی بیٹی تقریباً بیس برس کی تھی۔رانا صاحب نے جرمن خاتون سے شادی کی تھی ان کا اپنا کاروبار تھا شہر کے وسط میں ''تاج محل'' ہوٹل ان کا تھا جس میں ان کی بیٹی اور بیوی بھی کبھی کبھی ویک اینڈ پر ان کی مدد کے لیے آ جاتیں۔بیوی کسی فیکٹری میں بھی کام کرتی تھی اور بیٹی اپنی تعلیم مکمل کر رہی تھی۔رانا صاحب بڑے دل کے مالک تھے اور اپنے ہوٹل ان لوگوں کو کام پر رکھ لیتے تھے جن کو زبان یا ویزے کی وجہ سے کام نہ ملتا ہو۔ان کا ایک بہت بڑا بنگلہ بھی تھا یوں ان کی زندگی بظاہر بڑی مزے سے گزر رہی تھی۔وہ سانولے رنگ کے نسبتاً چھوٹے قد کے مالک تھے ان کی بیوی مخصوص جرمن خدوخال اور جسامت کی مالک تھی یعنی وہ سرخ سفید اور چھ فٹ لمبی تھی۔رانا صاحب اس سے آدھا فٹ چھوٹے تھے۔کیونکہ وہ الگ الگ نسلوں ،رنگوں ،قومیت ،زبانوں ،اور ثقافت سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ان کو ایک دن یہ کہہ دیا کہ رانا صاحب عام حالت میں کوا اور کبوتری زیادہ دیر تک اکٹھا نہیں رہ سکتے مگر آپ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ آپ کی نسل میں بھی کبوتری کسی کوے کے ساتھ مزے سے زندگی گزار سکتی ہے۔انہوں نے اپنی شادی کی سلور جوبلی بڑی دھوم دھام سے منائی جس میں انہوں نے ہوٹل میں تمام کھانوں کی قیمت آدھی اور ایک ڈرنک فری کی سپیشل آفر بھی لگائی۔ان کی سلور جوبلی کی تقریب میں شرکت کے چند دنوں بعد میں فرینکفورٹ شفٹ ہو گیا پھر بھی کبھار فون پر بات ہو جاتی۔برطانیہ شفٹ ہونے کے بعد ان سے فون پر بھی رابطہ بہت کم ہوتے ہوتے ختم ہی ہو گیا۔عام تاثر یہ ہے کہ لوگ ویزے کے حصول کے لیے کسی گوری سے شادی کر لیتے ہیں پھر اپنے کاغذات سیدھے کر کے اس کو بھی ناک کی سیدھ پر ہمیشہ کے لیے اس کے گھر بھیج دیتے ہیں مگر رانا صاحب کی مثال میں اکثر لوگوں کو دیتا تھا کہ کبوتری اور کوے کا ساتھ زندگی بھر کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔گزشتہ ماہ مجھے اپنے کسی عزیز نے اپنے بیٹے کی شادی پر ولیمے کی رسم پر جرمنی مدعو کیا۔مجھے گرمیوں کی چھٹیاں تھیں لہذا سوچا کہ شادی دیکھنے کے بہانے جرمنی میں پرانے دوستوں سے بھی ملوں گا اور کچھ آؤٹنگ بھی ہو جائے گی۔ یورپ میں گھر اتنے کشادہ نہیں ہوتے کہ شادی پر آنے والے مہمان گھر پر بلائیں جائیں اکثر لوگ شادی ہال پر آتے ہیں اور وہاں سے ہی اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔کچھ یہی صورت حال مرگ پر بھی ہوتی ہے وہاں لوگ سیدھے قبرستان پہنچتے ہیں

اور وہیں سے اپنے اپنے گھروں کو چل دیتے ہیں۔ دعوت ولیمہ شام کے سات بجے تھی میں حسب عادت مقررہ وقت سے قبل شادی ہال پہنچا تو وہاں پر گہما گہمی نہ تھی۔ جب سات بجے تو میں وہاں انتظامیہ سے رابطہ کیا کہ یہاں اتنا سناٹا کیوں ہے بھائی؟ مجھے پتہ چلا کہ ولیمہ کینسل ہو گیا ہے اسی دوران کچھ اور لوگ بھی آ گئے۔ پھر دولہے کے چھوٹے بھائی تشریف لائے اور بہت پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی معذرت کی کہ انہوں نے کافی لوگوں کو ولیمہ ملتوی ہونے کی اطلاع دی تھی مگر چند افراد کو وہ فون پر اطلاع نہ کر پائے۔ اس لیے وہ شادی ہال آئے تاکہ جو مہمان یہاں آئے اسے صورت حال کا علم ہو سکے۔ اس نے مزید سسپنس میں ڈالنے کی بجائے ایک ہی جملے میں ہم سب کو حیران کر دیا کہ کل ہم بارات لے کر آئے تھے رات کو دلہن کو دولہے کی عادات پسند نہ آئیں اس نے اپنے بھائیوں اور ماں باپ کو فوری بلایا اور سہاگ رات منانے کی بجائے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ کافی بحث ومباحثے کے بعد جب لڑکے والے راضی نہ ہوئے تو لڑکی نے پولیس بلانے کی دھمکی دے ڈالی کہ آپ اس کی مرضی کے خلاف اس کو گھر میں رکھ رہے ہیں اور جبری شادی کا نیا قانون بہت سخت ہے۔ جس کے ڈر سے لڑکے نے لڑکی کو ہاتھ لگائے بغیر ہاتھ جوڑ کر واپس بھیج دیا۔ لڑکی نے فوری طلاق ملنے کی خوشی میں اسے حق مہر معاف کر دیا۔

سابقہ دولہے کا بھائی یہ دکھ بھری کہانی سنا رہا تھا تو مجھے رانا صاحب یاد آ گئے۔ میں نے سوچا ان کو سرپرائز دیتا ہوں، شوائن فورٹ پہنچا تو رات کے نو بج رہے تھے اس وقت ان کے ہوٹل میں بہت رش ہوتا تھا۔ کافی مدت بعد وہاں گیا مگر کچھ زیادہ تبدیلی محسوس نہ کی، ہوٹل اپنی جگہ روشنوں میں جگ مگ کر رہا تھا۔ میں اندر داخل ہوا تو کاؤنٹر پر کسی سردار کو دیکھ کر تعجب ہوا پھر سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا کوئی ملازم ہو۔ میں نے سردار جی سے پوچھا کہ ''میں نے ہوٹل کے مالک سے ملنا ہے'' تو انہوں نے کہا کہ ''بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں اس ہوٹل کا مالک میں ہی ہوں''۔ میرے منہ سے اچانک وہ رانا صاحب...... نکلا تو اس نے مسکرا کر کہا کہ آپ لگتا ہے کافی دیر بعد تشریف لائے ہیں۔ میں نے پریشان ہو کر کہا کہ رانا صاحب خیریت سے تو ہیں تو انہوں نے مزید سسپنس نہ ڈالا اور ویٹر کو کہا کہ کچن سے ہیڈ کک کو بلاؤ۔ جب وہ کچن سے باورچی برآمد ہوا تو میری حیرانگی کی انتہاء نہ رہی وہ رانا صاحب تھے۔ جب سردار جی کو پتہ چلا کہ میں برطانیہ سے آیا ہوں تو انہوں نے رانا صاحب کو چھٹی دے دی۔ رانا صاحب کے ساتھ مدت بعد اسی میز پر کھانا کھایا جہاں کبھی اکثر بیٹھ کر کھایا کرتا تھا۔ سمجھ میں نہ آیا کہ رانا صاحب اپنے ہی ہوٹل میں باورچی کی ملازمت؟ رانا صاحب نے پوچھا کہ میں اچانک کیسے آ گیا؟ تو ان کو ولیمے پر آنے اور شادی والے دن ہی طلاق والی بات بتائی جس کے بعد رانا صاحب نے کہا کہ اگر تیس برس بعد طلاق ہونے سے بہتر ہے کہ پہلے دن ہی ہو جائے کم از کم وقت برباد نہیں ہوتا۔ تم ٹھیک کہتے تھے کبوتری اور کوے کا میل زیادہ نہیں ہوتا۔ رانا صاحب کی طلاق تیس برس بعد ہوئی میں نے تفصیل نہ پوچھی مگر انہوں نے یہ بتایا کہ طلاق کے بعد ان کا جائیداد کا تنازعہ بن گیا۔ محبت اور دیوانگی میں اس نے ہوٹل اپنی بیوی کے نام سلور جوبلی کے دن کیا تھا۔ جب تعلقات میں کشیدگی آئی تو اس کی بیوی نے ہوٹل سردار کو بیچ دیا۔ طلاق کے بعد بنگلہ بھی نیلام کرنا پڑا بیٹی اور بیوی نے اس میں سے بھی حصہ لیا اور چلتی بنیں۔ میں نے کہا رانا صاحب اتنے بڑے امتحان سے گزرے کم از کم بتا ہی دیتے۔ رانا صاحب نے کہا کہ شادی اور طلاق انسان کا ذاتی مسئلہ ہوتا ہے اس میں تشہیر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یورپ میں تو ویسے ہی طلاق ایک فیشن بن چکی ہے۔ طلاق کے بعد قانونی پیچیدگیاں اتنی ہوتی ہیں جس میں مرد کو ہی نقصان ہوتا اسی وجہ سے اب بغیر شادی کے رہنے کا رجحان عام

ہوتا جارہا ہے۔آج کل عمران خان اور ریحام خان کی طلاق کے چرچے ہیں۔میڈیا پراسے اتنا نشر کیا جارہا ہے جسے دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید عمران خان نے کوئی غیر فطری، غیر شرعی، غیر اخلاقی یا حرام کام کیا ہے۔یہ اس کی پرائیویٹ لائف ہے جس میں مداخلت دینا مناسب نہیں۔رانا ثناءاللہ جو پنجاب میں وزیر قانون بھی ہیں عمران خان کے بارے میں جو باتیں کیں اس سے انکی ذہنی حالت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔تعجب کی بات ہے کہ وہ شخص جس کے بارے میں ایک مجرم یہ انکشاف کررہا ہے کہ اس نے رانا ثناء کے کہنے پر قتل کیے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی پوزیشن کلئیر کریں وہ عمران خان کے گھر ٹوٹنے کے مسئلے کو زیر بحث لا رہے ہیں۔شادی تو ایک طرح کا دو انسانوں کے درمیان معاہدہ ہوتا ہے اگر دونوں کے مزاج متصادم یا متضاد ہوں تو وقت برباد کرنے اور فضول لڑائی جھگڑا کرنے کی بجائے اگر اچھے طریقے سے گولڈن ہینڈ شیک کرلیا جائے تو اس کو تماشہ بنانے کی کیا ضرورت ہے۔میاں صاحب نے نون لیگ کے سیاسی رہنماؤں کو عمران خان کی طلاق پر کمنٹس دینے سے منع کیا تھا اس کے باوجود رانا ثناءاللہ نے الفاظ کے نشتر چلا دیے اگر میاں صاحب فری ہینڈ دیتے تو پھر کیا ہوتا۔اس سے اب عمران خان سمیت تمام سیاسی جماعتوں اور میڈیا پرسنز کو آئندہ ذاتی زندگی کو ذات تک محدود رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔کیونکہ رشتے ٹوٹتے ہیں تو دل بھی ٹوٹتا ہے اس کا مذاق بنایا جائے تو دل کو اور ٹھیس لگتی ہے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

31-10-2015